ائمہ اربعہ کے مابین اختلاف کی نوعیت واسباب کا تجزیاتی مطالعہ

Kubra Begum
Kubrazeshan544@gmail.com
Ph.D, Scholar, Institute of Islamic Studies and Sharia, MY University Islamabad

Dr. Hafiz Mohsin Zia Qazi
hod.islamicstudies@myu.edu.pk
Director, Institute of Islamic Studies and Sharia, MY University Islamabad

Mudassir Iqbal
Iqbalmudassir428@gmail.com
Ph.D, Scholar, Institute of Islamic Studies and Sharia, MY University Islamabad
Corresponding Author: * Kubra BegumKubrazeshan544@gmail.com

Received: 25-06-2025 **Revised:** 23-07-2025 **Accepted:** 12-08-2025 **Published:** 23-08-2025

ABSTRACT

Disagreement is not only a manifest reality in human society but also an intrinsic aspect of human nature. Variations in intellect and comprehension, differences in temperament and capacity, as well as diversity in educational backgrounds and lived experiences, are all factors that naturally lead to differing perspectives among individuals. When such diversity extends into the realm of religious understanding and legal reasoning (ijtihād), it gives rise to scholarly differences. The Islamic Sharīʿah, which remains applicable until the end of time, possesses an inherent elasticity and expansiveness that allows for contextual ijtihād across varying temporal and spatial circumstances. Consequently, such ijtihād may yield divergent but valid outcomes. Disagreement, therefore, is not inherently negative or blameworthy. When rooted in sincerity, grounded in knowledge, guided by piety, and conducted within the framework of established Sharīʿah principles, scholarly disagreement becomes a sign of intellectual richness and a manifestation of divine mercy within the religion. The jurisprudential divergences among the four Imams, as well as among jurists, hadith scholars, and legal theorists, are prime examples of such constructive and principled differences. Conversely, disagreement that emerges from personal bias, egotism, or a disregard for scholarly methodology is what leads to discord, animosity, and deviation. Throughout Islamic history, the existence of differences in subsidiary (furūʿ) and ijtihād-based matters among scholars, jurists, and exegetes has not been indicative of error or malice, but rather a reflection of diverse interpretive frameworks, understandings of scriptural texts, and methodological approaches to legal reasoning.

Keywords: *Scholarly disagreement, Ijtihād, Islamic Sharīʿah, Jurisprudential diversity, Legal reasoning, Interpretive frameworks*

تمہید

فرق واختلاف کائنات کی حقیقت ہے یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ قران حکیم نے بتایا ہے کہ رنگ وزبان کا فرق اور مظاہر قدرت میں رنگا رنگی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پوری کائنات کو حکمت اور خوبصورتی کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ ہر چیز میں ایک ترتیب، توازن اور فرق نظر آتا ہے۔ کائنات ہست وبود میں موجود تنوع، ترتیب وتوازن، فرق واختلاف محض ایک اتفاق نہیں بلکہ خالق کائنات کی حکیمانہ کاریگری کا مظہر ہے۔ یہ اختلاف وتنوع چاہے انسانوں کی رنگت میں ہو، زبانوں میں، تہذیبوں میں یا فکری میلانات میں سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جو انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

"اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف؛ یقیناً اس میں اہلِ علم کے لیے نشانیاں ہیں۔"[1]

[1] القرآن، 22:30

قرآن حکیم کی اس آیت میں نہ صرف انسانی معاشرت کی فطری رنگا رنگی کو بیان کیا گیا ہے بلکہ اس میں پوشیدہ حکمت کو بھی ظاہر کیا گیا ہے اللہ تعالی نے انسانوں کو مختلف اقوام ،قبائل، زبانوں اور رنگوں میں اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں ،ایک دوسرے سے سیکھیں اور باہم تعاون کے ذریعے ایک متوازن اور خوبصورت معاشرہ تشکیل دیں ۔ دراصل انسان خود اس کارخانہ قدرت کا حسین شاہکار ہے۔

اختلاف انسانی فطرت کا حصہ ہے مختلف افراد جو کہ اپنے تجربات علم اور فہم میں مختلف ہوتے ہیں ان میں اختلاف الرائے ہونا فطری امر ہے اسلام نہ صرف اختلاف کو تسلیم کرتا ہے بلکہ ایک نعمت بھی قرار دیتا ہے بشرطیکہ یہ علم وفہم اخلاق واخلاص پر مبنی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کریم نے تمام دنیا میں تفاوت کو برقرار رکھا۔ ہر شخص پیدائشی طور پر بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ کائنات کا حسن اسی تفریق اور امتیاز میں موجود ہے ارشاد باری تعالی ہے:" اور اگر تمہارا رب چاہتا تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا اور لوگ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔"[2]

اختلاف اگر فہم و فراست تحمل اور انصاف کے ساتھ ہو تو یہ رحمت ہے اور اگر جہالت، تعصب اور ہٹ دھرمی سے ہو تو یہی اختلاف فتنہ بن جاتا ہے۔لہذا ہمیں اختلاف کو نفرت یا دشمنی کا سبب نہیں بلکہ فطرت کے حسن اور اجتماعیت کے استحکام کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔

اختلاف کے لغوی معنیٰ:

اختلاف کا لفظ اتفاق کی ضد ہے اور اتفاق کا مطلب جمع ہونا یا ایک ہونا ہے، جب کہ اختلاف کا مطلب مختلف ہونا یا خلاف ہونا ہے۔"اختلاف باب افتعال سے بمعنی معاملہ یا گفتگو میں وہ طریقہ اختیار کرنا جو دوسرے کا نہ ہو، مخالفت کرنا چونکہ اس سے عموما جھگڑا پیدا ہوتا ہے اس لیے اختلاف نزع کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔"[3]

صاحب لسان العرب اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں:

"واختَلَفَه: أَخذه مِنْ خَلفِه۔ ابنُ السِّكِّيت: أَلحَحْتُ عَلَى فُلانٍ فِي الاتِّباع حَتَّى اختَلَفتُه، أَي جَعَلتُه خَلْفِي۔ "سَوُّوا صُفوفَكم وَلَا تَختَلِفوا فتختَلِف قلوبُكم۔"[4]

اختلاف کا لغوی مفہوم: پیچھے سے لینا یا پیروی کے انداز میں فاصلے سے چلنا۔ عربی زبان میں "اختلاف" کا مفہوم صرف رائے کے ٹکراؤ یا مخالفت پر محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے لغوی معانی میں پیچھے آنے، پیچھے سے لینا، اور مختلف وقتوں یا مقامات پر حاضر ہونا جیسے مفاہیم بھی شامل ہیں۔ لسان العرب اور دیگر لغوی مصادر میں ابن السکیت کا ایک قول نقل ہوا ہے، جو اس مفہوم کی عمدہ مثال ہے: "اختلفتُ إلى فلانٍ" یعنی "میں بار بار اس کے پیچھے گیا(اس کی طرف لوٹتا رہا)۔"

اس عبارت میں "اختلفت" کا مطلب یہ نہیں کہ میں اس سے متصادم ہوا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں مسلسل اس کی طرف پیروی یا طلبِ علم کی نیت سے جاتا رہا۔یعنی اختلاف کا مفہوم یہاں کسی کے پیچھے چلنا، مگر برابر نہ چلنا ہے۔ گویا ایک وقفہ یا فاصلہ ہے جو پیروی میں موجود ہے۔

حدیثِ نبوی ﷺ سے استدلال:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی صفوں کو سیدھا کرو، اور اختلاف نہ کرو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔"

یہاں "تختلفوا" کا مطلب عقیدے یا فقہی رائے کا اختلاف نہیں بلکہ صف بندی میں بدنظمی، آگے پیچھے ہونا نظم اور اتحاد کے بجائے بے ترتیبی اختیار کرنا ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عملی اختلاف بھی دلوں کے باہمی تعلق کو خراب کر دیتا ہے، یعنی ظاہری نظم کا ٹوٹنا باطنی اتحاد کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ اختلاف کا مفہوم بہت وسیع ہے، جو صرف عقلی یا نظری نہیں، بلکہ عملی اور زمانی پہلو بھی رکھتا ہے۔ قران مجید میں یہ لفظ متعدد[5] مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

اختلاف کے اصطلاحی معنیٰ

اہل اجتہاد کا دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنا۔ علامہ جرجانی التعریفات میں اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"الخلاف: منازعة تجري بين المتعارضين لتحقيق حقٍّ أو لإبطال باطل۔"[6]

اختلاف وہ فکری آمیزش ہے جو حق کی تلاش، دلیل کی بنیاد پر رائے کے تبادلے اور باطل کی تردید کے لیے کی جاتی ہے۔

---

[2] القرآن، 119:11۔

[3] عبد الرشید نعمانی، لغات القرآن، (کراچی: دار الاشاعت، 1986) 1:42۔

[4] محمد بن مکرم بن علی ابن منظور (م: 711ھ)، لسان العرب، (بیروت: دار صادر۔ ط: ۳، 1414ھ) 83، 82/9

[5] إِنَّ فِي اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ (6:10)، وَّلَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَۙ (118:11)، فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ‌ۚ (37:19)

[6] شریف علی بن محمد الجرجانی، کتاب التعریفات (مصر: بالمطبعة الخیریة المنشأة بجمالیه، 1306ھ) 101

امام راغب اختلاف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والاختلافُ والمخالفة: أن يأخذ كلّ واحد طريقا غير طريق الآخر في حاله أو قوله۔"[7]

کہ ہر کوئی ایسا راستہ اختیار کرے جو کردار کے لحاظ سے یا گفتار کے لحاظ سے دوسرے کا نہ ہو۔

محمد عمیم احسان اختلاف کے اصطلاحی معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" دو فریقوں کے مابین حق کے اثبات اور باطل کے ابطال کے لیے جو مباحثہ ہو، اختلاف کہلاتا ہے۔[8]

یعنی اختلاف وہ تعقلی و فکری تعامل ہے جو دو یا زیادہ آراء کے درمیان اس نیت سے ہوتا ہے کہ حق واضح ہو جائے اور باطل کی نفی ہو جائے، بشرطیکہ اس کا مقصد ضد، عناد یا نفسانی غلبہ نہ ہو، بلکہ محض علمی تحقیق اور خیر خواہی ہو۔ اختلاف کو صرف مخالفت یا دشمنی کی شکل میں دیکھنا محدود فہم ہے۔ علمی اور اصولی اختلاف دراصل ایک مفید آمیزش ہے، جس کا مقصد حق کو ظاہر کرنا، باطل کو باطل ثابت کرنا، دلائل کا ٹکراو، مگر مقصود تحقیقِ حق ہو۔

ائمہ اربعہ کا تعارف

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے لے کر چوتھی صدی ہجری نصف کا دور اجتہاد کا سنہری دور ہے جس میں اُفق اجتہاد پر تیرہ مجتہد چمکے جن کے مذاہب مدون کیے گئے اور ان کی آراء کی تقلید کی گئی۔ لیکن ان میں سے چار ائمہ مجتہدین کے مذاہب نہ صرف باقی رہے بلکہ عالم اسلام نے انہیں شرف قبولیت بخشا۔ یہ مذاہب فقہ حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ ہیں یہ مذاہب اپنے بانیوں کے نام سے منسوب ہوئے۔

1. امام سفیان بن عیینہ (مکہ مکرمہ)
2. امام مالک بن انس (مدینہ منورہ)
3. امام ابو حنیفہ، امام سفیان ثوری (کوفہ)
4. امام حسن بصری (بصرہ)
5. امام اوزاعی (شام)
6. امام ابو ثور، امام احمد، امام داؤد ظاہری، امام ابن جریر الطبری (بغداد)
7. امام شافعی، امام لیث ابن سعد (مصر)
8. امام اسحاق ابن راہویہ (نیشاپور)"[9]

مذکورہ بالا مذاہب میں سے اکثر مذاہب اپنے پیروکاروں کے ختم ہونے سے باقی نہ رہے۔ باقی رہنے والے مذاہب میں چار مذاہب آج تک قائم اور مشہور ہیں، ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور فقہ حنفی

فقہ حنفی کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (80 ہجری/699ء-150 ہجری/767ء) ہیں[10]۔

مسلک حنفی کے اصول و قواعد

مسلک حنفی کے قواعد و اصول جو آپ نے بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

---

7 أبو القاسم الحسين راغب الأصفهاني (ت 502ھ۔)، المفردات في غريب القرآن، المحقق: صفوان عدنان الداودي (دمشق بيروت: دار القلم، الدار الشامية۔ ط 1412۔) ص294۔

8 محمد عمیم الاحسان المجددی، **قواعد الفقہ**، (کراچی: الصدف پبلشرز، 1984) 102:1

9 ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، (دمشق: دار الفکر، 1418ھ) 1/42۔

10 ابن عابدین شامی، **حاشیہ الرد المختار علی الدر المختار** (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، 1985ء) ج1، ص66

" میں سب سے پہلے کتاب اللہ سے اخذ واستنباط کرتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو سنت رسول اور ثقہ رواۃ سے منقول احادیث صحاح کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں نہیں پاتا تو اصحاب رسول میں جس کا قول چاہتا ہوں اس سے استنباط کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے کا قول نہیں لیتا۔ جب معاملہ ابراہیم، شعبی اور ابن مسیب وغیرہ کئی ایک نام آپ نے شمار کرائے تک پہنچتا ہے تو انہی کی طرح میں خود اجتہاد کرلیتا ہوں۔ "[11]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ مالکی

فقہ مالکی کے بانی امام مالک بن انس اصبحی عربی (179ھ۔795ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔[12]

مسلک مالکی کے اصول و قواعد

امام مالک کا اپنا ایک الگ طرز فکر ہے۔ آپ کے مسلک کے اصول وضوابط کا خلاصہ اور ان کی ترتیب درج ذیل ہے:

قران حکیم سے اخذ کردہ پانچ اصول

1۔ نص کتاب اللہ 2۔ ظاہر نص یعنی عموم 3۔ دلیل نص یعنی مفہوم مخالف 4۔ مفہوم نص یعنی مفہوم موافق

5۔ تنبیہ نص یعنی علت پر تنبیہ

حدیث وسنت سے اخذ کردہ دس اصول

1۔ اجماع 2۔ قیاس 3۔ عمل اہل مدینہ 4۔ استحسان 5۔ ذرائع کے سدباب کا حکم 6۔ مصالح مرسلہ

7۔ قول صحابی 8۔ رعایت اختلاف 9۔ استصحاب 10۔ گزشتہ شریعتیں[13]

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

شافعی مذہب کے بانی امام محمد بن ادریس (150 ہجری۔204 ہجری) شافعی ہیں[14]۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ غزہ فلسطین میں اس سال یا اس دن متولد ہوئے جس سال یا جس دن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ "[15]

مسلک شافعی کے اصول و قواعد

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصول رسالہ " الرسالہ " میں اجمالاً تحریر کیے ہیں جو درج ذیل ہیں

" اصل قران وسنت ہے، اگر ان میں نہ ملے توان کی روشنی میں قیاس کیا جائے۔ اگر رسول ﷺ سے متصل صحیح الاسناد حدیث ہو تو کافی ہے۔ اجماع خبر واحد سے بڑی چیز ہے۔ حدیث کا ظاہر لیا جائے گا، اگر کئی معنی کا احتمال ہو تو اسے لیا جائے گا جو ظاہر سے قریب تر ہو۔ احادیث برابر ہوں تو صحیح الاسناد حدیث قابل ترجیح ہوگی۔ حدیث منقطع صرف ابن مسیب کی لی جاسکتی ہے۔ اصل کو اصل پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں کوئی چون وچرا فرع میں کیوں اور کیسے کا سوال ہوتا ہے۔ اور اصل پر اس کا قیاس صحیح ہو تو وہ بھی صحیح ہے اور قابل حجت ہے۔ "[16]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنبلی

امام ابوعبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فقہ حنبلی کے بانی ہیں۔ آپ کی ولادت (164 ہجری)[17] اور وفات (241)[18] ہجری میں ہے۔

---

[11] محمد بن الحسن بن العربیؒ، " **الفكر السامي في تاريخ الفقه الإسلامي** "، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1416ھ) ج1 س424۔

[12] زیدان، **المدخل للدراسة الشريعة الاسلامية**، ص162

[13] محمد بن الحسن بن العربیؒ، " **الفكر السامي في تاريخ الفقه الإسلامي** "، ج1، ص455۔

[14] ابن عساکر، **تاریخ مدینہ دمشق** (بیروت: دار الفکر، 195ء) ج5، ص175

[15] ابو سعد السمعانی، **الانساب** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1998ء) ج3، ص402، ابن کثیر، **البدایۃ والنھایۃ** (بیروت: مکتبۃ المعارف، س ن) ج10، ص87

[16] محمد بن الحسن بن العربیؒ، " **الفكر السامي في تاريخ الفقه الإسلامي** "، ج1، ص468۔

[17] بغدادی، **تاریخ بغداد**، ج5، ص181

[18] بغدادی، **تاریخ بغداد**، ج5، ص187

مسلک حنبلی کے اصول و قواعد

مسلک امام حنبل کے اصول و قواعد امام شافعی کے مذکورہ قواعد سے بہت قریب ہیں ان کے اخذ و استنباط کی ترتیب یہ ہے:

"نصوص قران و سنت۔۔ ان کی موجودگی میں کوئی دوسری چیز قابل توجہ نہیں۔حدیث صحیح مرفوع پر عمل اہل مدینہ، رائے، قیاس، قول صحابی یا اجماع جو علم بلمخالفت پر قائم ہو ان میں سے کسی چیز کو ان پر مقدم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی نص نہ ہو تو صحابہ کرام کے فتاوی دیکھے جائیں گے اگر کسی کا قول مل جائے اور اس میں صحابہ کے کسی اختلاف کا علم نہ ہو تو اس سے لیا جائے گا اس پر کسی عمل رائے اور قیاس کو مقدم نہ کیا جائے گا۔ صحابہ کرام کا اختلاف ہو تو اسے اختیار کیا جائے گا جو کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اگر کتاب و سنت سے قریب تر مسئلہ کی وضاحت نہ ہو سکے تو کسی قول پر جزم ویقین۔ حدیث مرسل وضعیف کے خلاف کوئی دوسری حدیث یا قول صحابی یا اجماع نہ ہو تو اسے ہی لیا جائے گا اور قیاس پر یہ حدیث مقدم ہو گی۔

گزشتہ دلائل میں سے کچھ نہ ملے تو بوقت ضرورت قیاس کو دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ سد الذرائع"[19]

ائمہ اربعہ کے مابین اختلاف کی نوعیت:

شریعتِ اسلامیہ میں اختلاف ایک ایسا فطری اور اصولی امر ہے جو نہ صرف اجتہاد کی علامت ہے بلکہ امت کی علمی وسعت اور فکری گہرائی کا مظہر بھی ہے۔ ایسا اختلاف جو اجتہادی اور قرآن وحدیث کے متعین کردہ حدود کے اندر ہو قابل نفرت نہیں بلکہ مجتہدین علماء کے تبحر علمی کی وجہ سے وسعت اور رحمت کا باعث ہے کیوں کہ اجتہاد کی وجہ سے شرعی احکام ہر زمانے کے تقاضوں کے ساتھ موافقت اختیار کر لیتے ہیں اور اس اختلاف کے نتیجہ میں شرعی امور مختلف پہلوؤں میں تحقیق اور ترقی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین حتیٰ کہ محدثین ومفسرین کے درمیان بے شمار مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن اس اختلاف کی نوعیت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے تاکہ حق و باطل، اجتہاد و تعصب، اور وسعت و فرقہ پرستی کے درمیان فرق کیا جاسکے۔

اختلاف کی اقسام

اختلاف کے لیے مشروعیت اور جواز ضروری ہے۔ اسلام میں علمائے کرام نے اختلاف کی درج ذیل اقسام بیان کی ہیں:

اختلافِ مذموم

اختلاف مذموم سے مراد ایسا اختلاف جو دلیل یا اجتہاد کے بجائے خواہشِ نفس، تعصب، جہالت یا دنیاوی مفادات کی بنیاد پر ہو۔ مثلاً فرقہ وارانہ بنیاد پر دوسرے مکاتب فکر کی تکفیر، کسی امام یا عالم کی آراء کو بغیر دلیل کے رد کرنا۔

" ماكان اختلافاً في العقائد، وأصول الأحكام الثابتة، وما ثبت بإجماع صحيح عن خير القرون، فهذا التفرق مذموم بلا شك، ذلك أن دلائل تلك المسائل واضحة في الكتاب والسنة، مجمع عليها."[20]

وہ اختلاف جو عقائد، احکام کے بنیادی اصولوں، اور ان امور میں ہو جن پر "خیر القرون" (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) کے دور میں صحیح اجماع ثابت ہو چکا ہو۔ تو ایسا اختلاف بلاشبہ مذموم (قابلِ مذمت) ہے، کیونکہ ان مسائل کے دلائل کتاب و سنت میں بالکل واضح ہیں، اور امت کے سلف (پہلے نیک لوگ) کا اس پر اجماع ہے۔ جو شخص ان میں اختلاف کرتا ہے، وہ درحقیقت اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، مومنوں کے راستے سے جدا ہو جاتا ہے، اور وحی کے نصوص پر اپنی عقل کو ترجیح دیتا ہے۔ اللہ اس کے رسول ﷺ اور مؤمنین نے ایسے شخص کی مذمت کی ہے۔

اختلاف محمود

"ماكان خلافاً في الفروع الفقهية والمسائل التي لم تجمع الأمة فيها على رأي واحد، وذلك كالاختلاف الواقع في المذاهب الأربعة، وكثير من المسائل الحادثة التي اختلف فيها أهل العلم، فهذا النوع من الاختلاف غير مذموم إذا وقع من أهله العارفين بأصوله۔"[21]

---

[19] طہ جابر فیاض "، اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب،" (حیدر آباد: الفرقان اسلامک کلچر سوسائٹی، س۔ن) ص 93۔

[20] لجنة الفتوى بالشبكة الإسلامية، "فتاوى الشبكة الإسلامية" (تم نسخه من الإنترنت: في اذوالحجة ١٤٣٠هـ، ١٨ نوفمبر، ٢٠٠٩) ص 147 رقم 8675۔

[21] لجنة الفتوى بالشبكة الإسلامية، "فتاوى الشبكة الإسلامية"، ص 147

وہ اختلاف ہے جو فقہی فروع اور ان مسائل میں واقع ہو جن میں امت کا کوئی ایک متفقہ قول موجود نہیں، جیسا کہ چاروں مذاہب میں پایا جانے والا اختلاف، اور بہت سے نئے پیش آمدہ مسائل جن میں اہلِ علم کا اختلاف ہوا ہے۔ اس قسم کا اختلاف قابلِ مذمت نہیں، بشرطیکہ یہ اہلِ علم اور اصولِ اجتہاد سے واقف لوگوں کی طرف سے ہو۔ بلکہ اگر اس اختلاف کا مقصد حق کی پیروی اور اس کی ترجیح ہو، تو یہ قابلِ تحسین ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت کے وہ نصوص جن میں ان احکام کا بیان ہے، ان کی دلالت ظنی ہوتی ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ ایک مجتہد کسی قول کو ترجیح دے جو دوسرے نے ترجیح نہ دی ہو۔ ایسے سب مجتہدین اپنے اجتہاد میں اجر پانے والے ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

"إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ۔"[22]

اختلافِ تنوع

تنوع کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز متعدد ہو لیکن حقیقت میں متفق ہوں، یعنی ہر وہ اختلاف جس میں کئی وجوہات جائز ہوں اور اس اختلاف میں منافات نہیں ہوتا، یعنی ایک قول دوسرے کی نفی وابطال نہیں کرتا بلکہ ہر قول دوسرے کا ایک نوع ہوتا ہے ضد نہیں ہوتا، اس میں تمام اقوال صحیح ہوتے ہیں۔

"اختلاف التنوع: فهو مالا يكون فيه أحد الأقوال مناقضاًلأقوال الأخرى بل كل الأقوال صحيحة، وهذا مثل وجوه القراءات، وأنواع التشهدات والأذكار."[23]

ایسا اختلاف جس میں تمام آراء یا افعال سنت سے ثابت ہوں اور ان میں سے ہر ایک پر عمل کیا جا سکتا ہو۔ مثلاً نماز میں مختلف اذکار، نبی ﷺ سے تشہد کے مختلف الفاظ ثابت ہیں۔ پھر یہ کئی قسم پر ہوتا ہے مثلاً ایک یہ کہ دونوں فعل اور دونوں قول جائز وحق ہوں جیسا کہ قران کی قرات کے لیے صحابہ کے مابین اختلاف ہوا۔

اسی طرح دو مختلف معنی کسی قول سے مُراد لیے جائیں لیکن دونوں متضاد نہ ہوں بلکہ دونوں قول باوجود مختلف ہونے کے صحیح ہوں اور یہ اکثر اختلافی مسائل میں موجود ہیں اور اس طرح کا اختلاف خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں واقعہ ہوا اور آپ ﷺ نے دونوں اقوال کو درست قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں اب جب غروب کا وقت قریب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول مبارک کے سمجھنے میں صحابہ کرام کے مابین اختلاف واقع ہو گیا۔ اب بعض صحابہ نے یہ سمجھا کہ مراد اس قول سے سُرعت اور جلدی ہے اور اگر نماز کا وقت راستے میں آجائے تو راستے میں پڑھ لی جائے، لہٰذا انہوں نے عصر کی نماز راستے میں ہی پڑھ لی لیکن بعض صحابہ نے راستے میں نماز نہیں پڑھی اور اس قول کا مطلب یہ سمجھا کہ ہم عصر کی نماز بنی قریظہ میں ہی پڑھیں گے اگرچہ غروب کے بعد ہی کیوں نہ ہو رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک پر بھی انکار نہیں کیا بلکہ دونوں کو صحیح قرار دیا۔

اس طرح کے اختلاف میں دونوں فریق بلاشبہ درست ہوتے ہیں اس قسم کا اختلاف مذاہب اربعہ اور ائمہ مجتہدین کے مابین بھی بکثرت موجود ہے کوئی بھی عقلمند شخص مذکورہ بالا حدیث پڑھنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ معاذ اللہ یہ اختلاف تفرقہ بازی ہے، بلکہ فہم میں اختلاف تھا۔

تمام فروعی اختلافی مسائل اسی قسم کے تحت آتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اختلاف جائز ومقبول ومحمود ہے اور ائمہ اربعہ کا اختلاف اذان واقامت واستفتاح تشھد وغیرہ کے الفاظ میں اسی طرح صلاۃ الخوف وتکبیرات العید وغیرہ۔

اختلافِ تضاد:

تضاد لغت میں ضد کو کہتے ہیں جمع اس کی اَضداد آتی ہے اور لغت میں " ضِدُّ الشَّيء" کسی چیز کے مخالف ومبائن اور اُلٹ چیز کو کہا جاتا ہے، یعنی دو متضاد چیزیں جو آپس میں جمع نہیں ہو سکتی، جیسے دن اور رات یعنی دو چیزوں میں اختلاف وتضاد کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کا اجتماع ناممکن ہو۔ اس سے مُراد ایسا اختلاف جس میں ہر قول دوسرے کے منافی ومتضاد ہو اور ہر فریق اپنے قول کے حق اور دوسرے کے باطل ہونے کا دعوٰی کرے۔ ایسا اختلاف جس میں دونوں اقوال یا آراء ایک دوسرے کی ضد ہوں اور بیک وقت دونوں پر عمل ممکن نہ ہو۔ مثلاً قراءتِ فاتحہ خلف الامام، امام شافعی کے نزدیک فرض، امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ۔

"اختلاف التضاد, وهو أن يكون كل قول من أقوال المختلفين يضاد الآخر ويحكم بخطئه أو بطلانه، فالشيء الواحد تجده يقول بحرمته وبحله۔"[24]

---

[22] أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، "**صحيح البخاري**"، المحقق: د. مصطفى ديب البغا، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنه، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ (دمشق: دار ابن كثير، دار اليمامة، ط،1414ھ) 6/2676۔ رقم 6919

[23] شیخ یاسر بن حسين برهامي، "**أدب الخلاف**" (مصدر الكتاب دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية) 5/1

[24] شیخ یاسر بن حسين برهامي، "**أدب الخلاف**"، 4/2

اختلافِ تضاد وہ ہوتا ہے کہ مختلف اقوال میں سے ہر ایک، دوسرے کے بالکل برعکس ہو، اور ہر قول دوسرے کی مخالفت کرتے ہوئے اُسے غلط یا باطل قرار دے۔ چنانچہ ایک ہی چیز کے بارے میں ایک کہے کہ یہ حرام ہے، دوسرا کہے کہ یہ حلال ہے۔

اس قسم کا اختلاف مذاہب اربعہ اور ائمہ مجتہدین کے مابین شاذ ہوتا ہے۔

المختصر ائمہ اربعہ کے مابین پایا جانے والا اختلاف" اختلاف فی الاصول" ہے یعنی ان کے درمیان اصولِ استنباط میں فرق (مثلاً قیاس، عمل اہل مدینہ، استحسان، مصالح مرسلہ وغیرہ) اور مصادرِ شریعت کے درجات میں فرق ہوتا ہے۔ فروعی اختلاف جو کہ جزوی مسائل میں ظاہر ہوتا ہے وہ ان کے مابین (نماز، روزہ، زکوۃ، بیع وغیرہ میں) تعبیر و تطبیق کا فرق ہے۔ اختلاف تنوع ائمہ کے مابین بہت زیادہ پایا جاتا تھا کیونکہ اس میں دونوں قول درست ہوتے ہیں لیکن تطبیق مختلف ہوتی ہے (مثلاً رفع یدین)۔

ائمہ اربعہ کے مابین فقہی اختلاف کے اسباب

اسلامی تاریخ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ ور ائمہ مجتہدین کے مابین فروعی اختلافات کا پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اختلاف اگر علم و تقویٰ کی بنیاد پر ہو، تو وہ وسعتِ دین اور مرونتِ شریعت کا مظہر ہے، نہ کہ تفرق و نزاع کا سبب، تاہم ان اختلافات کے اسباب کو سمجھنا علمی بصیرت اور فقہی فہم کے لیے نہایت ضروری ہے، تاکہ امت اختلاف کے شر سے محفوظ اور خیر سے بہرہ ور رہو۔ ذیل میں آئمہ اربعہ کے مابین پائے جانے والے اختلاف کے اسباب پر روشنی ڈالی جائے گی۔

فقہاو مجتہدین کے مابین اختلاف کے اسباب کے ضمن میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فقہااور مجتہدین کے درمیان رونما ہونے والے اختلاف کے چار بنیادی اسباب ہیں۔

1. ایک مجتہد کو کسی واقعہ کے بارے میں ایک حدیث ملی اور دوسرے مجتہد کو نہ مل سکی، اس صورت میں حق کو پانے والا مجتہد معین ہے۔
2. ہر مجتہد کے پاس احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ وجود تھے اور ہر ایک نے ایک حدیث کو دوسری حدیث کے ساتھ اور ایک اثر کو دوسرے اثر کے ساتھ تطبیق یا ترجیح دینے میں اجتہاد سے کام لیا ہے اور اس اجتہاد کی بنا پر ایک معین حکم تک پہنچا دیا ہے جس کے سبب اس طرح کا اختلاف رونما ہوا۔
3. مجتہد نے حسب ذیل امور میں اختلاف کیا۔

1. مستعمل الفاظ و محاورات کی تشریح و توضیح اور ان کے مفہوم کا تعین۔
2. مستعمل الفاظ و کلمات کی جامع و مانع حدود کا تعین اور ان کی نشاندہی۔
3. اشیاء کے ارکان اور شرائط کی صحیح پہچان مثلاً ذکر، حذف، تخریج مناط[25]، موصوف کا وصف عام سے وصف خاص پر صادق آنا۔ کلیہ کا اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہونا وغیرہ۔ اس طرح ہر مجتہد کے اجتہاد نے اسے ایک جدا اور مستقل نقطہ نظر تک پہنچا دیا۔
4. مجتہدین نے مسائل کے اصول میں اختلاف کیا اور اس کا نتیجہ فروعی مسائل میں اختلاف کی صورت میں رونما ہوا۔[26]

مذکورہ بالا تمام صورتوں میں تمام مجتہدین حق پر ہیں جب کے سب کے ماخذ ہمارے ذکر کردہ معنی اور طریقہ کے قریب ہوں۔ وہ بغیر کسی دشواری کے ذہن میں آسکیں اور عقلی نقطہ نظر سے بھی ان میں کوئی اشکال نہ ہو۔

حدیث میں اختلاف کی صورت میں فقہا کا طرز عمل

اگر کسی مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مختلف ہوتی تو یہ فقہا اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تصریح کر دیتے کہ بعض احادیث منسوخ ہیں ، یا" مصروف عن الظواہر "ہیں تو بات واضح ہو جاتی اور یہ فقہاء حقیقت حال تک رسائی حاصل کر لیتے۔ لیکن اگر بغیر کسی تصریح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی حدیث کو ترک کرنے پر متفق ہوتے تو ان کا عدم قبول در اصل اس حدیث کو ضعیف یا منسوخ یا قابل تاویل قرار دینا ہے۔ ایسی تمام صورتوں میں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کیا کرتے تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل کی مثال

---

[25] مناط کے معنی مدار اور علت کے ہیں۔ کسی معاملے اور مسئلے میں علت کو پہچاننے اور اس کا پتا لگانے کے لیے فقہانے تین اصطلاحیں ایجاد کیں ہیں۔ تنقیح مناط، تخریج مناط اور تحقیق مناط

[26] شاہ ولی اللہ، **عقد الجید فی احکام الاجتھاد والتقلید** (دہلی: مطبعہ مجتبائی، 1344ھ) ص 215

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتے کی جھوٹے کے حکم والی حدیث کے بارے میں مذکورہ بالا طرز عمل اپناتے ہوئے کہا یہ حدیث[27] وارد تو ہوئی ہے لیکن مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے ۔"[28]

صحابہ و تابعین کے مابین اختلاف اور فقہاء کا طرز عمل

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ کے مابین کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو ہر عالم اپنے علاقے کے علماء اور مشائخ کے نقطہ نظر کو اختیار کرتا اس کی وجہ یہ ہے:

- وہ ان کے اقوال کی صحت و سقم سے زیادہ واقف ہوتے
- ان اقوال سے نسبت رکھنے والے اصولوں کا زیادہ راز داں ہوتے
- ان کا دل اپنے علاقے کے مشائخ علماء کے فضل اور تبحر علمی کی جانب زیادہ مائل ہوتا تھا۔"[29]

فقہائے مدینہ اور فقہائے کوفہ کے طرز عمل کی عملی مثال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد مثلاً سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قضایا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں کے سب سے زیادہ حافظ تھے یا مثلاً عروہ، سالم، عکرمہ، عطاء بن سیار، قاسم، عبید اللہ بن عبد اللہ، زہری، یحیی بن سعید، زید بن اسلم اور ربیعہ وغیرھم کا مسلک اہل مدینہ کے لیے دوسروں سے زیادہ قابل قبول تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو اہل مدینہ کے فضائل میں بیان فرمایا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مدینہ ہر دور میں علماء وفقہا کا مرکز رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کے طریقہ استدلال کا انتظام فرماتے تھے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ مشہور ہو گیا کہ وہ اہل مدینہ کے اجماع کو حجت مانتے ہیں چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں باب " فی الاخذ بما اتفق علیہ الحرمان "[30] کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔

جبکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا مذہب، حضرت علی رضی اللہ عنہ، قاضی شریح اور شعبی کے فیصلے اور ابراہیم نخعی کے فتاویٰ کو اختیار کرنا اہل کوفہ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ اور مختار تھا یہی وہ بات تھی کہ جس کے باعث علقمہ نے تشریک کے مسئلہ میں مسروق کو حضرت زید بن ثابت کے قول کی طرف مائل دیکھ کر یہ بات کہی تھی:

" کیا کوئی صحابی عبد اللہ بن مسعود سے زیادہ باوثوق ہے ؟

مسروق نے جوابا کہا:

بے شک ان سے زیادہ کوئی قابل وثوق نہیں ہے لیکن میں نے حضرت زید بن ثابت اور علماء مدینہ کو تشریک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"[31]

الغرض اہل شہر جس بات پر متفق ہوتے ہیں تو یہ علماء مضبوطی سے اس پر جم جاتے تھے اسی کی بابت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ متفق علیہ احادیث ہمارے پاس اتنی ہیں اور اگر کسی مسئلہ میں اہل مدینہ کا اختلاف ہو جاتا تو جو رائے زیادہ قوی اور قابل ترجیح ہوتی اس کو اپنا لیتے اس کا طریقہ یہ تھا:

- وہ دیکھتے اکثریت کس قول کی قائل ہے
- کون سا قول قوی قیاس پر مبنی ہے
- کون سا مسلک کتاب وسنت سے اخذ کیا گیا ہے؟

اس کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[27] إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيُرِقْهُ. ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ".

[28] امام مسلم، **صحیح مسلم**، المحقق: محمد فواد عبد الباقی، کتاب الطہارہ، باب ولوغ الکلب، (قاہرہ: مطبعۃ عیسی البابی الحلبی وشرکاہ، 1374ھ) 1/234، رقم 279۔

[29] شاہ ولی اللہ، **الانصاف فی بیان سبب الاختلاف**، (لاہور: ھئیۃ الاوقات حکومت پنجاب، 1981ء) ص 15

[30] امام بخاری نے ما اتفق علیہ الحرمان کی بجائے ما اجمع علیہ الحرمان لکھا ہے، (امام بخاری، **صحیح بخاری**، کتاب الاعتصام الکتاب والسنہ، باب ما ذکر نبی ﷺ وحض علی اتفاق اہل العلم)

[31] شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص 16۔

"ھذا احسن مما سمعت۔"[32]

اور جو اقوال ہم نے سنے ہیں ان سب میں یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔

"جب علماء اپنے مسئلے کا جواب اپنے اپنے شہر کے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے منقول اقوال و آثار میں نہ پاتے تو ان کے کلام سے استنباط کرتے اور ایماء و اقتضا سے انھی کے کلام میں مسئلہ کا جواب نکال لیا کرتے تھے۔ یہی وہ طبقہ ہے جن کے دل میں تدوین فقہ کا الہام ہوا چنانچہ امام مالک اور محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذویب نے مدینہ میں، ابن جریج اور ابن عیینہ نے مکہ میں، امام ثوری نے کوفہ میں اور ربیعہ بن الصبیح نے بصرہ میں مذکورہ طریقہ کار کے مطابق فقہ کی تدوین کی۔"[33]

ائمہ اربعہ کے مابین پائے جانے والے چند اختلافات کی مثالیں

ماء کثیر کی تحدید ہے یا نہیں؟

فقہی اصطلاح میں ماء کثیر زیادہ پانی کی حد بندی کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے اس کی مقدار متعین کی ہے، جبکہ بعض نے اس کی علامت و کیفیت کو بنیاد بنایا ہے، نہ کہ مقدار کو۔

حنفیہ کا نقطہ نظر

نجاست آلود کنویں کے بارے میں بحث اس پانی کے متعلق بحث کے مشابہ ہے جس میں نجاست مل گئی ہو جمہور کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جبکہ حنفیہ نے بعض احوال میں فرق کیا ہے۔ حنفیہ اس بارے میں تو جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ اگر پانی میں نجاست گرنے کے بعد اس کے اوصاف (رنگ، بو، یا مزہ) میں تبدیلی نہ آئے، تو وہ پاک ہے، چاہے مقدار کم ہو یا زیادہ۔ جبکہ ماء قلیل نجاست پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ پانی کے اوصاف متغیر نہ بھی ہوں۔ (یعنی حنفیہ کے نزدیک اوصاف کی تبدیلی معیار ہے، مقدار نہیں۔)

مالکیہ کا نقطہ نظر

مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی نجس چوپایہ کنویں میں گر جائے اور پانی کو متغیر کر دے تو سارے پانی کو نکالنا ضروری ہے اگر پانی متغیر نہ ہو تو بقدر دابہ پانی نکالنا مستحب ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نقطہ ہائے نظر

ماہ جاری اور ماہ راکد قلیل اور کثیر کے مابین تفرقہ کے اعتبار سے برابر ہیں پس جو پانی مقدار میں دو قلہ[34] سے کم ہو وہ قلیل ہے۔ وہ نجاست موثرہ کے ملنے سے ہی ناپاک ہو جائے گا چاہے پانی متغیر نہ بھی ہو اور جہاں تک ماء کثیر کا تعلق ہے وہ دو قلہ یا اس سے زیادہ ہو تو نجس جامد یا نجس مائع کے ملنے سے ناپاک نہیں ہو گا بشرط کہ پانی متغیر نہ ہو اور اگر پانی متغیر ہو جائے تو ناپاک ہو جائے گا۔ اسی بنا پر شافعیہ کہتے ہیں کہ جب ماء نجس کی تطہیر کا ارادہ کیا جائے تو دیکھا جائے کہ اگر اس میں نجاست نے تغیر پیدا کر دیا ہے اور وہ دو قلہ سے زیادہ ہے تو پاک ہو جائے گا۔

- اس طرح کہ یا تو تغیر کو زائل کر دیا جائے،
- اس میں اور پانی ملا دیا جائے یا،
- اس سے کچھ پانی لے لیا جائے کیونکہ نجاست بالتغیر معتبر ہے اور وہ زائل ہو گئی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ مصانع اور تالاب کے جن میں کثیر پانی جمع ہو جاتا ہے تو تغیر لون تغیر ذائقہ یا تغیر بو کے بغیر کسی بھی نجاست سے وہ پانی پاک نہیں ہو گا اگر وہ متغیر ہو جائیں جیسے آدمی کے پیشاب یا مائع گندگی کی وجہ سے تو ان مصانع اور تالابوں سے پانی نکالا جائے گا شافعیہ اور حنابلہ نے نکالے جانے والے پانی کی کوئی مقدار معین نہیں کی۔"[35]

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے اسناد صحیح کے ساتھ ثابت ہے

---

[32] شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغہ، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س۔ن) 417/1-418

[33] شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص 17۔

[34] دو قلہ سے مراد (500 رطل بغدادی یعنی 216-200 لیٹر)" والصحيح المشهور أن القلتين خمسمائة رطل بغدادي)،"المجموع شرح المھذب، ج1، ص128_)

[35] ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، ص288/1-287۔

"انہ سئل عن صبی بال فی بئر فامر ھم ان ینزفوھا۔"[36]

یہ کہ آپ سے ایک بچے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس نے کنویں میں پیشاب کر دیا ہے تو آپ نے انہیں اس سے پانی نکالنے کا حکم دیا.

اسی طرح حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے امام احمد رحمہ اللہ سے اس کنویں کے بارے میں پوچھا گیا جس میں انسان پیشاب کر دے فرمایا: غلبہ ظن کے مطابق سارا پانی نکالا جائے گویا کنویں سے سارے پانی نکالنے میں وہ مالکیہ کی رائے سے متفق ہیں۔

نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کا حکم

نماز میں دعائے قنوت کے پڑھنے سے متعلق ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کی آراء مختلف ہیں، اور یہ اختلاف دراصل قنوت کی جگہ، وقت، اور دائمی یا عارضی ہونے پر مبنی ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نقطہ ہائے نظر

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ نماز وتر میں قنوت پڑھے گا۔ حنفیہ کے نزدیک رکوع سے پہلے اور حنابلہ کے نزدیک رکوع کے بعد اور وتر کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھی جائے گی، حنفیہ کہتے ہیں نماز وتر میں قنوت پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ تیسری رکعت میں قرات مکمل کرنے کے بعد تکبیر کہے گا اور تکبیر تحریمہ کی طرح اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے گا پھر انہیں اپنی ناف کے نیچے باندھے گا پھر قنوت پڑھے گا اس کے بعد رکوع کرے گا۔ صلوۃ الوتر کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھے گا ہاں اگر کوئی مصیبت آجائے تو جہری نماز میں قنوت پڑھی جائے گی۔

جہاں تک نماز فجر میں ایک مہینے تک نبی کریم ﷺ کے قنوت پڑھنے کا تعلق ہے تو وہ بلا اجماع منسوخ ہے۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا، ثُمَّ تَرَكَهُ۔"[37]

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت پڑھی پھر اسے ترک کر دیا۔

قنوت پڑھنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب، جب کہ صاحبین کے نزدیک سنت ہے، مختار یہ ہے کہ امام اور مقتدی آہستہ پڑھیں گے، حنابلہ کے نزدیک وتر کی ایک رکعت میں سارا سال رکوع کے بعد قنوت پڑھنا سنت ہے، اگر کسی نے رکوع سے پہلے پڑھ لی تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا، بَعْدَ الرُّكُوعِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ."[38]

حمید رحمہ اللہ کہتے ہیں نماز فجر میں قنوت پڑھنے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "كُنَّا نَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَهُ۔"[39] ہم رکوع سے پہلے رکوع کے بعد قنوت پڑھا کرتے تھے۔ امام ہو یا منفرد قنوت بلند آواز سے پڑھے گا۔

شافعیہ اور مالکیہ کے نقطہ نظر

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ نماز فجر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھے گا، مالکیہ کے نزدیک رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا افضل ہے اور ان کے نزدیک ظاہر روایت کے مطابق صبح کی نماز کے علاوہ قنوت پڑھنا مکروہ ہے، مالکیہ کے نزدیک نماز فجر میں آہستہ قنوت پڑھنا مستحب ہے جبکہ وتر اور دیگر نماز میں آہستہ پڑھنا مکروہ ہے۔ امام اور منفرد دونوں آہستہ قنوت پڑھیں گے قنوت میں رفع یدین کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شافعیہ کے نزدیک نماز فجر کی دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا سنت ہے اور یہ کہ امام صیغہ جمع مثلاً "اللھم اھدنا" کے ساتھ قنوت پڑھے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: مازال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - یقنت في الصبح حتی فارق الدنیا۔"[40]

رسول اللہ ﷺ نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

---

[36] ابن ابی شیبہ، **المصنف**، المحقق: سعد بن ناصر بن عبد العزیز، کتاب الطہارۃ، فی الفارۃ والدجاجۃ واشباھا، (الریاض: دار کنوز اشبیلیا للنشر والتوزیع، 1436ھ) 2/347، رقم 1736۔

[37] ابو داؤد، **سنن ابی داؤد**، المحقق، محمد محی الدین، کتاب تفریع ابواب الوتر، باب القنوت فی الصلوات (بیروت: المکتبۃ العصریہ، س۔ن) 2/68، رقم 1445۔

[38] امام مسلم، **صحیح مسلم**، کتاب الصلاۃ، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوۃ 1/468، رقم 677۔

[39] ابن ماجہ، **سنن ابن ماجہ**، المحقق: محمد فؤاد عبد الباقی، کتاب اقامۃ صلاۃ والسنۃ فیھا، باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعدہ، (بیروت: دار احیاء الکتب العربیہ، س۔ن) 1/374، رقم 1183۔

[40] دکتور مُصطفی الخِن، دکتور مُصطفی البُغا، علي الشّربجي، **الفقہ المنھجی علی مذھب الامام الشافعی**، (دمشق: دار القلم للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1314ھ) 1/146۔

حضرت عمرؓ نماز فجر میں صحابہ کرام کی موجودگی میں قنوت پڑھتے تھے۔ حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مسلمانوں پر مصیبت نازل ہونے کے وقت فرض نمازوں میں قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ حنابلہ نے اسے نماز فجر کے ساتھ خاص کیا ہے جبکہ حنفیہ نے کسی بھی جہری نماز کے ساتھ۔"[41]

جمعہ کے لیے کتنے آدمی ہونا ضروری ہیں؟

جمعہ کی ادائیگی کے لیے جماعت شرط ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

"الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ۔"[42]

جمعہ کی جماعت کے ساتھ ادائیگی ہر مسلمان پر حق واجب ہے۔

اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے جمعہ کی جماعت کے لیے کتنے آدمیوں کا ہونا ضروری ہے اس بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔

حنفیہ کا نقطہ نظر

امام ابو حنیفہ ؒ اور امام محمد ؒ کے نزدیک اصح قول کے مطابق جمعہ کی جماعت کے لیے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے چاہے وہ مسافر ہوں یا مریض، کیونکہ کم سے کم جمع کا اطلاق تین پر ہوتا ہے اور جمعہ کے لیے جماعت مستقل شرط ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

"فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ۔"[43] تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو۔

جمعہ جماعت سے مشتق ہے تو اس لیے مذکر ہونا ضروری ہے اور وہ خطیب ہے اگر انہوں نے امام کو چھوڑ دیا یا تکبیر تحریمہ کے بعد سجدہ سے پہلے بھاگ گئے تو جمعہ فاسد ہو جائے گا ،اس کی جگہ نماز ظہر ادا کی جائے گی اور اگر وہ لوٹ آئے اور امام کو حالت رکوع میں پا لیا، یا امام کے ساتھ تین آدمی نماز پڑھنے والے رہ گئے یا خطبہ کے بعد بھاگ گئے اور امام نے دوسرے نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کی تو جمعہ ہو جائے گا۔ وجود جماعت انعقاد ادائے جمعہ کے لیے تو شرط ہے۔ لیکن آخر نماز تک کی بقاو دوام کے لیے شرط نہیں ہے۔ ادا تمام ارکان یعنی قیام، قرات رکوع اور سجود کے پائے جانے کی صورت میں متحقق ہو گی۔ اگر یہ لوگ تکبیر تحریمہ کے بعد سجدہ سے پہلے بھاگ گئے تو جمعہ فاسد ہو جائے گا اور امام نئے سرے سے نماز ظہر ادا کرے گا۔

مالکیہ کا نقطہ نظر

مالکیہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز اور خطبہ کے لیے 12 آدمیوں کا موجود ہونا ضروری ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے

"أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم كان يَخْطُبُ قَائِمًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ. فَجَاءَتْ عِيرٌ مِنَ الشَّامِ فَانْفَتَلَ النَّاسُ إِلَيْهَا. حَتَّى لَمْ يَبْقَ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا . فَأُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ الَّتِي فِي الْجُمُعَةِ[44]: وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفضوا إليها وتركوك قائما۔"[45]

جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ شام سے تجارتی قافلہ آ پہنچا تو لوگ اس کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ بارہ آدمی رہ گئے تو آیت جمعہ (جب انہوں نے تجارت یا لہو کو دیکھا تو اس طرف چلے گئے اور آپ کو کھڑے کھڑا رہنے دیا) نازل ہوئی۔

مالکیہ کی بارہ آدمیوں کی شرط کے لیے دو اُمور ضروری ہیں:

1. یہ کہ تعداد بارہ آدمی اہل بلد میں سے ہو، تجارت کی غرض سے آئے ہوئے اقامت اختیار کرنے والوں سے یہ شرط پوری نہیں ہو گی
2. دوسرا یہ کہ بارہ آدمی اول خطبہ سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک موجود رہیں اگر ان میں سے کسی ایک کی نماز بھی فاسد ہو گئی چاہے امام کے سلام پھیرنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو تو جمعہ باطل ہو جائے گا۔"[46]

---

[41] ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی و أدلتہ**، 2/1000-1009

[42] ابو داؤد، **السنن**، کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ للمملوک والمراۃ، 1/280، رقم 1067۔

[43] القرآن، 9:62۔

[44] امام مسلم، **صحیح مسلم**، کتاب الجمعہ، باب قولہ تعالیٰ(وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفضوا إليها وتركوك قائما) 2/590، رقم 863۔

[45] القرآن، 11:62۔

[46] وہبہ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی و أدلتہ**، 2/1295-1296۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نقطہ ہائے نظر

جمعہ چالیس یا چالیس سے زیادہ افراد کی موجودگی میں امام کے ساتھ قائم ہوگا بشرطیکہ وہ چالیس افراد مکلف، آزاد، مذکر اور اس جگہ کے رہنے والے ہوں۔ اس طرح کے ان میں سے کوئی آدمی بھی سوائے ضرورت کے سردیوں یا گرمیوں میں ملک سے باہر نہ جاتا ہو، چاہے وہ مریض یا گونگے یا بہرے ہی کیوں نہ ہوں، نہ کہ مسافر ہوں۔ لیکن اگر تعداد چالیس سے متجاوز ہو تو مسافر امامت کرا سکتا ہے۔ جمعہ چالیس سے کم افراد کے ساتھ منعقد نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث کعب سے ثابت ہے کہ اسد بن زرارہ کے ساتھ پہلے جمعہ میں چالیس آدمی موجود تھے۔"[47]

امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جمعہ پڑھایا اور وہ چالیس آدمی تھے۔"[48]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سے کم افراد کو جمعہ پڑھایا ہو۔ پس چالیس کا عدد پورا نہ ہونے کی صورت میں جمعہ جائز نہیں ہوگا اور اگر دوران خطبہ چالیس یا ان میں سے کچھ آدمی چلے گئے تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا اور چالیس افراد کا تمام ارکان خطبہ کو سننا مطلوب ہے، اور خطبہ کا مقصود تو لوگوں کا سنانا ہوتا ہے اگر جمعہ کی تکمیل سے قبل چالیس سے کم لوگ رہ گئے تو وہ جمعہ مکمل نہیں کریں گے بلکہ نئے سرے سے ظہر کی نماز ادا کریں گے کیونکہ عدد شرط ہے تو طہارت کی طرح تمام نماز جمعہ میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔[49]

قران حکیم میں سجدہ ہائے تلاوت کی تعداد کیا ہے؟

قران حکیم میں آیت ہائے سجدہ کتنی ہیں جن کی تلاوت کرنے سے سجدہ تلاوت لازم ہو جاتا ہے اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

مالکیہ کا نقطہ نظر

مالکیہ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق سجدہ ہے تلاوت گیارہ ہیں ان میں سے دس سجدے بالاجماع ہیں جبکہ ایک کے بارے میں اختلاف ہے تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

" وَیُسَبِّحُوْ نَہٗ وَلَہٗ یَسۡ جُدُوْ نَ۔"[50]

"وَلِلّٰہِ یَسۡ جُدُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡ ضِ۔۔۔"[51]

"وَلِلّٰہِ یَسۡ جُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡ ضِ۔"[52]

"اِذَا یُتۡ لٰی عَلَیۡہِمۡ یَخِرُّوۡ نَ لِلۡاَذۡ قَانِ سُجَّدًا۔"[53]

"اٰیٰتُ الرَّحۡ مٰنِ خَرُّوۡ اسُجَّدًا وَّ بُکِیًّا۔"[54]

"اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسۡ جُدُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ۔"[55]

وَاِذَا قِیۡلَ لَھُمُ اسۡ جُدُوۡ ا لِلرَّحۡ مٰنِ قَالُوۡ ا۔۔۔"[56]

"اَلَّا یَسۡ جُدُوۡ ا لِلّٰہِ الَّذِیۡ یُخۡرِجُ الۡخَبۡ ءَ۔"[57]

---

[47] البیہقی، **السنن الکبریٰ**، المحقق: محمد عبد القادر عطا، کتاب الجمعہ، باب الانفضاض، (لبنان: دار الکتب العلمیہ، 1424ھ) 3/259، رقم 5627۔

[48] ایضاً، کتاب الجمعہ، باب العدد الذین اذا کانوا فی قریہ۔۔۔، 3/253، رقم 5603۔

[49] وہبہ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی و آدلتہ**، 2/1296۔

[50] القرآن، 7:206۔

[51] القرآن، 13:15۔

[52] القرآن، 16:49۔

[53] القرآن، 17:107۔

[54] القرآن 19:58۔

[55] القرآن، 22:18۔

[56] القرآن 25:60۔

[57] القرآن، 27:25۔

" الَّذِینَ اِذَا ذُکِّرُوا بِھَا خَرُّوا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوا بِحَمْدِ۔۔۔"[58] "وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ۔"[59]

"لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا اللّٰہِ الَّذِی ۔۔"[60]

حنفیہ کا نقطہ نظر

حنفیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت چودہ ہیں سورۃ ص میں سجدہ ہونے کے بارے میں، وہ مالکیہ سے متفق ہیں مزید تین سجدہ ہائے تلاوت کی تفصیل درج ذیل ہے:

" فَاسْجُدُوا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوا۔"[61] "وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ "[62]

"کَلَّا لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔"[63]

جہاں تک سورہ حج میں دوسرے سجدہ تلاوت کا تعلق ہے تو یاد رہے وہ نماز کے حکم کے سلسلے میں ہے اس لیے کہ اس کے متصل رکوع کا بھی ذکر ہے سورہ حج میں دو سجدوں کی فضیلت کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں دو راوی ضعیف ہیں۔"[64]

شافعیہ اور حنابلہ کے نقطہ ہائے نظر

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں سجدہ ہائے تلاوت چودہ ہیں، ان میں سے دو سجدے سورہ حج میں ہیں جہاں تک سورہ ص میں سجدے ہونے کا تعلق ہے تو یہ ان کے نزدیک سجدہ شکر ہے جو نماز کے باہر مستحب ہے اور نماز میں کرنا حرام ہے اور اگر کسی نے کر لیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

" لَیْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ، وَقَدْ رَأَیْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْجُدُ فِیھَا."[65] " وعن ابن عبّاس، أنَّ النبيَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سجدَ في ﴿ص﴾، وقال" :سَجَدَھا داودُ توبةً، ونَسجُدُھا شُکرًا۔"[66]

سورۃ ص کا سجدہ لازمی سجدوں میں سے نہیں ہے لیکن میں نے اس میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو سجدہ کرتے دیکھا اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سجدہ بطور توبہ کیا تھا ہم اسے بطور شکر ادا کرتے ہیں۔

اسی رائے کی تائید حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کرتی ہے:

" أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَہُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ، مِنْھَا ثَلَاثٌ فِي الْمُفَصَّلِ، وَفِي سُورَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَانِ۔"[67]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے انہیں قران میں پندرہ سجدوں کی تعلیم دی ان میں سے تین مفصل سورتوں میں ہیں اور سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔

---

[58] القرآن، 15:32۔

[59] القرآن 24:38۔

[60] القرآن، 37:41۔

[61] القرآن، 62:53۔

[62] القرآن، 21:84۔

[63] القرآن، 19:96۔

[64] وہبہ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 2/1137۔

[65] امام بخاری، **صحیح بخاری**، المحقق: مصطفیٰ دیب البغا، کتاب سجود القرآن، باب سجدہ ص، (دمشق: دار ابن کثیر، دار الیمامہ، 1414ھ) 1/363، رقم 1019۔

[66] ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، **سنن النسائی**، المحقق، محمد رضوان، کتاب الافتتاح، باب سجود القرآن السجود فی ص، (دار الرسالۃ العالمیۃ، 1439ھ) 2/266، رقم 957۔

[67] ابو داوٗد، **السنن**، کتاب الصلاۃ، باب تفریع ابواب السجود، وکم سجدہ فی القرآن۔ 2/58، رقم 1401۔

یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ ہائے تلاوت پندرہ ہیں۔ دو سورہ حج میں اور ایک سورت ص میں، مالکیہ سجدات المفصل (النجم الانشقاق اور العلق) کی نفی حضرت ابن عباس کی روایت سے کرتے ہیں جسے ابو داؤد نے اپنی سنن اور ابن سکن نے اپنی صحیح الفاظ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

"أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِي شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ إِلَى الْمَدِينَةِ۔"[68]

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لے جانے کے بعد سجدات المفصل میں سے کوئی سجدہ نہ فرمایا جمہور سجدات المفصل کا اثبات حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے کرتے ہیں:

سَجَدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي: إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ. [69] وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ. [70]"[71]

ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سورۃ الانشقاق اور سورۃ الملک میں سجدہ کیا۔

کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ہجرت کے ساتھ ساتویں سال مسلمان ہوئے اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

"عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ أَنَّهُ قَرَأَ: وَالنَّجْمِ. فَسَجَدَ فِيهَا. وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهُ. غَيْرَ أَنَّ شَيْخًا أَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى أَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلَى جَبْهَتِهِ وَقَالَ: يَكْفِينِي هَذَا. قَالَ عَبْدُ اللهِ: لقد رأيته، بعد، قتل كافرا"[72]

نبی کریم ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی تو آپ ﷺ نے اس میں سجدہ کیا اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا سوائے ایک شخص کے اس نے مٹی یا کنکریوں کی ایک مٹھی لی اور اسے اپنی پیشانی سے لگایا اور کہا میرے لیے اتنا کافی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بعد از اں اسے دیکھا کہ وہ حالت کفر میں قتل ہوا۔

نتائج البحث

- مندرجہ بالا بحث سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ فرق و اختلاف کائنات اور انسانی زندگی کی ایک اٹل حقیقت ہے، جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ قرآن حکیم نے بارہا اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ رنگ، زبان، نسل، قومیت اور افکار میں تنوع محض ایک اتفاق نہیں بلکہ خالق کائنات کی حکمتِ کاملہ کا مظہر ہے، لیکن اس کے باوجود دین اسلام کی تعلیمات اور اس کے خصائص کی کاملیت ہمیں اختلاف سے بچنے کا درس دیتی ہے۔
- اسلام نے ہمیں یہ اصول دیا ہے کہ اختلاف کو دشمنی کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ اسے فطرت کا حسن اور اجتماعیت کی مضبوطی کا ذریعہ سمجھا جائے۔ یوں اختلاف و تنوع انسان کے لیے نہ صرف غور و فکر کی دعوت ہے بلکہ ایک ایسا نظام حیات بھی ہے جو انسانیت کو حسن، توازن اور ترقی کی راہوں پر گامزن کرتا ہے۔
- دین اسلام میں جس اختلاف کا جواز ملتا ہے وہ حقیقت میں اس دین کو جمود سے بچانے کا ایک راستہ ہے وہ راستہ صرف مجتہدین کے لیے کھلا ہوا ہے وہ اجتہاد کا راستہ ہے جس کی شرائط و آداب کو ملحوظ رکھ کر مجتہدین ایک دوسرے کے ساتھ دلائل کی بنیاد پر اختلاف کر سکتے ہیں، جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اور ہمارے اسلاف و ائمہ کا وصف رہا ہے۔
- امت مسلمہ کا قطعی اور واضح احکام میں اختلاف نہیں ہے، بلاشبہ اس طرح کا اختلاف رکھنے والا ملت اسلامیہ کا فرد ہی نہیں رہتا۔
- ایسے احکام جو فروعی اور مبہم ہیں ان میں اختلاف علم و فہم کے تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے اس طرح کے اختلافات نصوصِ شریعت کے ابہام کی وضاحت کے سلسلے میں اجتہاد کا نتیجہ ہیں دین اسلام میں ایسے اختلافات کی گنجائش اصول اجتہاد کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔
- فروعی مسائل کے فہم میں اختلافات صحابہ کرام کے درمیان بھی ہوئے، ائمہ کے مابین بنیادی اصولی قواعد میں مختلف نقطۂ نظر اپنانے کے نتیجے میں فروعی مسائل میں اختلاف ظاہر ہوا۔

---

[68] ابو داؤد، **السنن**، باب تفریع ابواب السجود، وکم سجدہ فی القرآن، باب من لم یر السجود فی المفصل، 2/58، رقم 1403۔

[69] القرآن، 84:1۔

[70] القرآن، 96:1۔

[71] امام مسلم،، **صحیح مسلم**، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، 1/406، رقم 578۔

[72] امام مسلم، **صحیح مسلم**، کتاب المساجد والمواضع الصلاۃ، باب سجود تلاوت 1/405، رقم 576۔

- ائمہ مجتہدین کے مابین فروعی واجتہادی مسائل میں اختلاف شرعی دلیل کی وجہ سے تھا۔ ضد، انا، تعصب کی بنیاد پر نہیں تھا۔
- فروعی اختلاف کے باوجود صالحین علماء اسلام آپس میں انتہادرجہ محبت وعقیدت رکھتے تھے ایک دوسرے کو غلط اور باطل نہیں کہتے تھے۔
- ائمہ اربعہ اور ان جیسے اہل علم کے درمیان اصول علم میں کوئی نزاع نہیں ہے بلکہ یہ اختلافات ان امور میں ہیں جو اجتہادی ہیں۔
- حدیث تک رسائی کا فرق، احادیث و آثار کی تطبیق یا ترجیح میں فرق، الفاظ و معانی کے فہم میں اختلاف، ارکان، شرائط اور اصولی پہچان میں فرق (جیسے ذکر و حذف، علت کی تعیین، کلیہ کا انطباق وغیرہ) اور اصول فقہ میں اختلاف، یہ تمام اسباب دراصل علمی اجتہاد کا حصہ ہیں۔ ہر مجتہد نے دلیل اور اصول کی بنیاد پر رائے قائم کی، لہٰذا سب حق پر ہیں اور ان کے اختلافات شریعت کے دائرے میں رہتے ہیں۔

مصادر و مراجع

1. القرآن الحکیم من جانب اللہ۔
2. ابن ابی شیبہ، المصنف، المحقق: سعد بن ناصر بن عبد العزیز، (الریاض: دار کنوز اشبیلیا للنشر والتوزیع، 1436ھ)۔
3. ابن البزاز الکردری، محمد بن محمد، مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ، (بیروت: دار الکتاب العربی، 1401ھ)۔
4. ابن عابدین شامی، حاشیہ الرد المختار علی الدر المختار (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، 1985ء)۔
5. ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق (بیروت: دار الفکر، 195ء)۔
6. ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ (بیروت: مکتبۃ المعارف، س ن) ۔
7. ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، المحقق: محمد فؤاد عبد الباقی، (بیروت: دار احیاء الکتب العربیہ، س۔ن)۔
8. أبو القاسم الحسين راغب الأصفهاني (ت 502ھ۔)، المفردات في غريب القرآن، المحقق: صفوان عدنان الداودي (دمشق بيروت: دار القلم، الدار الشامية۔ ط 1412۔) ۔
9. ابو داؤد، سنن ابی داؤد، المحقق، محمد محی الدین، (بیروت: المکتبۃ العصریہ، س۔ن) ۔
10. ابو زھرۃ، الامام مالک حیاتہ وعصرہ (بیروت: دار الفکر 1952ء)۔
11. ابو زھرۃ، الشافعی حیاتہ وعصرہ، (بیروت: دار الفکر العربی، 1944ء) ص36
12. ابو سعد السمعانی، الانساب (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1998ء)۔
13. ابو عبد اللہ حسین بن علی الصمیری، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ (حیدر آباد: مطبعۃ المعارف الشرقیۃ، 1974ء)۔
14. أبو عبد اللہ محمد بن إسماعيل البخاري، " صحيح البخاري"، المحقق: د. مصطفى ديب البغا، (دمشق: دار ابن كثير، دار اليمامة، ط، 1414ھ) ۔
15. ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، سنن النسائی، المحقق، محمد رضوان، کتاب الافتتاح، باب سجود القرآن السجود فی ص، (دار الرسالۃ العالمیۃ، 1439ھ)۔
16. امام بخاری، صحیح بخاری، المحقق: مصطفیٰ دیب البغا، کتاب سجود القرآن، باب سجدہ ص، (دمشق: دار ابن کثیر، دار الیمامہ، 1414ھ)۔
17. امام ذہبی، سیر اعلام النبلاء (بیروت: دار الفکر، 1997ء)۔
18. امام مسلم، صحیح مسلم، المحقق: محمد فواد عبد الباقی، (قاہرہ: مطبعۃ عیسی البابی الحلبی وشرکاہ، 1374ھ)۔
19. البیہقی، السنن الکبریٰ، المحقق: محمد عبد القادر عطا، (لبنان: دار الکتب العلمیہ، 1424ھ)۔
20. حمزۃ النشرتی، عبد الحفیظ الفرغلی، الامام الشافعی (قاہرۃ: المکتبۃ القیمۃ، س۔ن)۔
21. خطیب بغدادی، تاریخ بغداد (مصر: مطبوعۃ مصر، 1931ء) ۔
22. دکتور مُصطفى الخِن، دکتور مُصطفى البُغا، علي الشّربجي، الفقہ المنهجي على مذهب الامام الشافعي، (دمشق: دار القلم للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1314ھ)۔
23. الدکتور مصطفیٰ سعید الخن، ابحاث حول اصول الفقہ الاسلامی (دمشق: دار الکلم الطیب، 2000ء)۔
24. ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامیہ، 1988ء)۔
25. ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، (دمشق: دار الفکر، 1418ھ)۔

26. شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف،(لاہور:ھئیۃ الاوقات حکومت پنجاب،1981ء)۔

27. شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتھاد والتقلید(دہلی:مطبعہ مجتبائی،1344ھ)۔

28. شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغہ،(کراچی: قدیمی کتب خانہ، س۔ن)۔

29. شریف علی بن محمد الجرجانی، کتاب التعریفات(مصر: بالمطبعۃ الخبریۃ المنشأۃ بجمالیہ،1306ھ) ۔

30. شیخ یاسر بن حسین برھامي، " آدب الخلاف "(مصدر الکتاب دروس صوتیۃ قام بتفریغھا موقع الشبکۃ الإسلامیۃ)۔

31. صبحی محمصانی، فلسفہ التشریع الاسلامی،(دار العلم للملایین، 1961ء)ص63

32. طہ جابر فیاض، اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب،(حیدر آباد: الفرقان اسلامک کلچر سوسائٹی، س۔ن)۔

33. عبد الرحمن بن خلدون، تاریخ ابن خلدون المقدمۃ(بیروت: دار الکتب العلمیۃ،1992ء)۔

34. عبد الکریم زیدان، المدخل للدراسۃ الشریعۃ الاسلامیۃ(بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ،1985ء)۔

35. عبد اللطیف ھمیم، مقدمۃ الرسالۃ للشافعی(بیروت: دار الکتب العلمیۃ،2005ء)، ص12

36. عبد الرشید نعمانی، لغات القرآن،(کراچی: دار الاشاعت،1986)۔

37. لجنۃ الفتوی بالشبکۃ الإسلامیۃ، فتاوی الشبکۃ الإسلامیۃ،(تم نسخہ من الإنترنت: في اذو الحجۃ ۱۴۳۰ھ، ۱۸ نوفمبر، ۲۰۰۹)۔

38. محمد الشیخ خضری، تاریخ التشریع الاسلامی،(بیروت: دار الکتب العلمیہ، س۔ن)

39. محمد بن الحسن بن العربيّ، " الفکر السامي في تاریخ الفقہ الإسلامي "،(بیروت: دار الکتب العلمیہ،1416ھ)۔

40. محمد بن مکرم بن علی ابن منظور (م: 711ھ)، لسان العرب،(بیروت: دار صادر،1414ھ) ۔

41. محمد عمیم الاحسان المجددی، قواعد الفقہ،(کراچی: الصدف پبلشرز،1984)۔

42. مرعی بن یوسف الحنبلی المقدسی الکرمی، تنویر بصائر المقلدین فی مناقب الائمۃ المجتھدین،(بیروت: دار ابن حزم،1998ء) ۔